اپنے حصے کی گٹھری

فرحین اظفر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

یہ سچ ہے دور نہیں منزل مراد مگر
ہمیں حیات کا کچھ اعتبار بھی تو نہیں
حیات و موت کے اسرار کوئی کیا سمجھے
کہ زندگی میں سکون و قرار بھی نہیں

میں نے آئینے میں اپنے عکس پر ایک نظر ڈالی' نیا کارٹن کا تھری پیس سوٹ جس کا شوخ رنگ الگ ہی چھب دکھا رہا تھا۔ میچنگ ٹاپس اور بریسلیٹ' ہلکا پھلکا میک اپ اور کیچر میں سمٹے بال میں نے چہرے پر ایک ٹرائل مسکراہٹ بکھیری۔

''ہم......م......م......'' عام دنوں کی بہ نسبت ذرا سی تیاری نے میری شخصیت کو نکھار دیا تھا' اوپر سے موسم سرما میں میرا چہرہ پورے سال کی بہ نسبت رہتا بھی فریش تھا اور اس وقت اپنے آپ کو سجا سنورا دیکھ کر' تازہ ہو جانے والے موڈ کی بدولت اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔

میں ایک خوش شکل وخوش لباس خاتون کی تصویر پر پوری اتر رہی تھی اور کہیں سے بھی ایک آٹھ سالہ بیٹے اور گیارہ سالہ بیٹی کی ماں نہیں لگ رہی تھی۔ ابھی خود ساختہ تعریفیں آئینے سے وصولنے کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ باہر سے میری بیٹی کے خوشی سے چلانے کی آواز آئی۔

''آپا...... بڑی پھوپو۔'' اس نے بہت جوش سے سلام کیا تھا۔ لمحہ بھر کی بات تھی' خوش اخلاقی' نمائشی مسکراہٹ' خوش شکل خاتون کا خاکہ غڑاپ سے آئینے میں ہی غائب ہو گیا تھا۔

''اُف اللہ......'' صدمے کے مارے میرے منہ سے یہی نکل سکا۔ میں نے تڑپ کر دیوار گیر گھڑی کو دیکھا' صبح کے گیارہ ہی تو بجے تھے۔

اتوار کے دن اس وقت کسی کے گھر جانے کے لیے ناشتا وغیرہ کا کھڑاگ سمیٹ کر تیار ہو جانا میرے نزدیک بہت پھرتی کا متقاضی تھا اور آج میں نے اسی تیزی' پھرتی اور چستی کا عملی مظاہرہ کر ڈالا تھا کیونکہ میں پورے پندرہ دن کے بعد طے شدہ معمول کے مطابق میکے جانے کے لیے نکل رہی تھی۔

''لو...... ٹپک پڑیں صبح صبح۔'' میں نے دانت کچکچا کر واش روم سے نکلتے صائم کو دیکھا۔

''اوہو...... تو کیا ہو گیا تم بھی تو جا رہی ہو۔'' انہوں نے حسب عادت میرا جی جلانے کا فریضہ نبھایا۔

''تم بھی تو جا رہی ہو۔'' میں جل ہی تو گئی تپ کے ان کی نقل اتاری۔

''اب آپ کی اماں جان جانے دیں تب ناں۔'' میں نے ہاتھ میں پکڑا برش ڈریسنگ پر دے مارا جواباً وہ مجھے گھور کر رہ گئے۔

''کچھ نہیں کہیں گی۔'' اب وہ خود اطمینان سے بالوں میں برش کررہے تھے۔

پتا نہیں کیوں میں ان کا یہ مطمئن انداز برداشت نہیں کرپاتی' خاص طور پر اس وقت جب مجھے شدید غصہ آئے اور وہ بیٹھے انجوائے کریں۔ چند لمحے میں ان کا چہرہ غصے سے گھورتی رہی' پھر ہر چیز کو لاحاصل جان کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ گھر سے نکلنا ہو اور بن بتائے کوئی مہمان آجائے مجھے اس سے ہمیشہ سے چڑ ہی رہی تھی۔ چاہے میری اپنی نندیں ہی کیوں نہ ہو۔

سلگتے ارمانوں پر مسکراہٹ جو نہ صرف سامنے والے کے لبوں پر سجی ہو بلکہ آپ کو بھی زبردستی اپنے منہ پر چپکانی پڑے اُف......! کون کہتا ہے کہ یہ مسکراہٹ سب مسائل کا حل ہے اور مشکلات سے بچاتی ہے اور مسائل کو چٹکیے سے حل کردیتی ہے فلاں......فلاں......جب دل جل رہا ہو تو یہی مسکراہٹ جلتی پر تیل کا سا کام دیتی ہے اور کچھ نہیں۔

''خیریت تو ہے' کہاں کی تیاری ہے؟'' آپا جان گلے ملتے ہوئے پوچھ رہی تھیں چونکہ وہ عمر میں صائم سے بڑی تھیں اس لیے سب سے چھوٹی بھابی کے لیے عام طور پر ان کا لہجہ اور رویہ مشفقانہ ہی ہوتا تھا مگر مجھے پتا نہیں کیوں منافقانہ لگتا۔

''ان کا کیا پوچھتی ہو بی بی! ملا کی دوڑ تو مسجد تک ہی ہوتی ہے۔'' میری ساس نے کھٹاک سے پاندان کا ڈھکن بند کرکے تخت کی سفید براق چادر پر اپنے پیر سمیٹ کر گاؤ تکیے سے کمر ٹکالی۔

''آئے ہائے اماں تو ظاہر ہے بچیاں اپنے میکے بھی نہ جائیں تو کہاں جائیں۔ ماں باپ سے کٹ تو نہیں سکتی ناں۔'' آپا جان مسکراتے ہوئے واپس تخت پر بیٹھ چکی

''ایک گلوری مجھے بھی بنادیں اماں! تم جاؤ شبانہ! خیر سے جاؤ اور سب کو میرا اسلام دعا کہنا۔'' انہوں نے تو گلو خلاصی کروادی تھی مگر جان چھوٹنی اتنی آسان کہاں۔

''آئے تو کیا ناشتا نہیں کروگی' یہ شبانہ پانچ منٹ میں تیار کردے گی۔'' اماں نے ہرگز میری چستی اور میزبانہ صلاحیتوں کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ میرا دم نکلنے والا ہوگیا' نیا سوٹ میچنگ جیولری اور میک اپ سب پر اوس پڑنے لگی تھی۔

''نہیں نہیں' تم جاؤ میں نے سعدی کو فون کردیا ہے آج یسی کو ادھر ہی چھوڑ دے' وہی آکر بنادے گی۔ یہ لوگ تو اب نکل ہی رہے ہیں میں ویسے بھی فجر کے بعد چائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ کھالیتی ہوں۔'' آپا جان نے لاؤنج میں آتے صائم کو دیکھ کر کہا' جو انہیں سلام کررہے تھے۔

''وعلیکم السلام! جیتے رہو' خوش رہو' اولاد کی خوشیاں دیکھو۔'' وہ بالکل ماؤں والے انداز میں صائم کو دعائیں دے رہی تھیں اور جنہیں دینی چاہئیں وہ جزبز ہوتی سر جھٹک رہی تھیں۔

میں نے دل ہی دل میں اپنی قسمت کو کوستے ہوئے بچوں کو آواز دی اور چلنے کے لیے کہا مگر حقیقت یہ تھی کہ اپنی ساس کا کہا ہوا ایک ہی فقرہ میرا موڈ برباد کرچکا تھا۔

❁......❁......❁
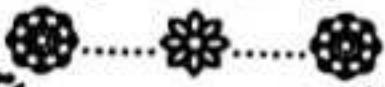
گاڑی منزل کی طرف رواں دواں تھی' بچے نانی امی کے یہاں جانے کے خیال سے بہت خوش تھے۔ سنہری صبح کی میٹھی دھوپ اور سرما کی ٹھنڈی ہوا' میں نے جان بوجھ کر فرنٹ سیٹ کا شیشہ کھول رکھا تھا مگر بچوں کا جوش اور موسم کی خوب صورتی بھی میرا موڈ بحال کرنے میں ناکام تھی اور حال یہ تھا کہ میں منتظر ہی تھی کہ اُدھر صائم کوئی بات کریں اور اِدھر میں حساب چکتا کروں حالانکہ بہت بار میں اچھے موڈ میں اعتراف کرچکی تھی کہ صائم بس ایویں میرے غصے کا شکار ہوجاتے ہیں۔

کسی اور پر آیا غصہ اتار پھینکنے کے لیے استعمال نہیں

کروں گی۔ مگر افسوس کہ ہر بار غصہ آجاتا پھر اترنے کے بعد مجھے ان کی اچھائیوں سمیت اپنی تمام اچھائیاں، وعدے، ارادے بھول جاتے تھے بلکہ یوں کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح میرے ذہن سے بھی غائب ہو جاتے تھے۔

''کیا بات ہے اتنی چپ چپ کیوں بیٹھی ہو؟'' بالآخر صائم نے مجھے چھیڑنے کا رسک لے ہی لیا۔ چند لمحے میں نے جان بوجھ کر بے نیازی دکھائی جب ادھر سے کم از کم تین بار اصرار ہوا تو میں پلٹی۔

''تو آپ کے خیال میں ایسی کون سی خوش خبری مل گئی جس کے لیے میں بھنگڑے ڈالتی پھروں۔''

''اپنی ماں سے ملنے جا رہی ہو یہ خوش خبری کم ہے کیا؟'' انہوں نے حسب عادت مضحکہ اڑا کر میرے غصے کو دوچند کیا (نادانستہ)۔

''جی طعنے سن کے، بڑی نند کے سامنے بے عزتی کروا کر۔'' مارے غصے کے بے ربطہ سا بول کر میں نے گیلی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''اوفوہ...... ایسا بھی کیا کہہ دیا اماں نے، چھوڑو ناں تم بھی بس......'' ایک یہ ان کی ہر وقت، ہر بات کو بس چھوڑ دینے کی عادت......

''ہر بات چھوڑ دوں، جو دل کرے بولتی رہیں، میں سنے جاؤں اور جب بولنے لگوں تو چھوڑ دوں۔ کیوں؟ اپنی بیٹیاں کتنی پابندی سے ہر ہفتے چکر لگاتی ہیں، کبھی میں نے ایک لفظ بھی کہا پھر مجھے کیوں کہا انہوں نے۔'' میری آواز بلند ہوگئی۔ گاڑی سگنل پر رکی ہوئی تھی، انہوں نے ایک تنبیہی نگاہ مجھ پر ڈالی۔

''آہستہ بولو۔''

''کیوں آہستہ بولوں اور یہ چالاکیاں نہیں ہوتیں مجھ سے کہ چپکے چپکے بیٹھی دوسروں کو آگ لگاتی رہوں، ان کی زندگیاں عذاب کروں۔'' آج تو مجھے زیادہ ہی غصہ آ گیا تھا۔

''کیا زندگی عذاب کردی انہوں نے تمہاری، ایک ذرا

سی بات کہہ دینے سے تمہاری زندگی......'' وہ بھی بھڑ کئے مگر پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ذرا ذرا سی باتیں ہی بڑھ کر بڑی بن جاتی ہیں۔'' غصے اور صدمے کے مارے میری حالت غیر ہوگئی میں نے تلملا کر رخ بدل لیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اب میں ان سے کوئی بات نہیں کرنے والی' امی کے یہاں پہنچ کر بھی نہیں۔

❁......❁......❁

''نانی امی...... نانی امی......'' بچے اپنے ننھیال آ کر ہمیشہ ایسے ہی خوش ہوتے تھے' امی ان سے لاڈ کرتی تھیں۔ ابو ان کو سیر کراتے اور میرے بھائی بھی ہر وقت ان کے ناز نخرے اٹھاتے تھے۔ ابھی چونکہ کسی بھائی کی شادی نہیں ہوئی تھی لہٰذا بھاوج نام کی کوئی نخریلی خاتون جو نند کو دیکھ کر منہ چڑھائے یا بچوں کو بلاوجہ ڈانٹے' ڈپٹے میرے گھر میں نہیں پائی جاتی تھی۔

آپ کہیں یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ ایسا کہتے وقت میں بھول گئی ہوں کہ میں خود بھی کسی کی بھابی ہوں' جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے مگر بات یہ ہے کہ میں نے خود اپنی نندوں کے سامنے' کسی بات پر منہ نہیں بنایا خیر منہ بنانے کا فائدہ ہی کیا۔ کون سا میرے منہ کی کسی نے پروا کرنی ہے' جنہیں کرنی چاہیے وہ تو خود اپنا منہ لے کر واپس دروازے سے ہی پلٹ گئے' گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی امی ابو کو سلام کہلوا دیا۔

سچی بات ہے میری اتنی سی صاف گوئی ان کی سماعت اور مزاج پر بہت گراں گزری تھی۔ اپنی ماں کے خلاف باتیں نہیں سن سکے اور میں جو دن رات سنتی' برداشت کرتی ہوں وہ...... میری طبیعت پھر سے مکدر ہونے لگی' میں وہاں سے سر درد کا بہانہ کر کے اٹھ گئی۔ عافیت اسی میں تھی کہ گیسٹ روم میں جا کے تنہا اپنا غم غلط کیا جائے۔

❁......❁......❁

میرا سسرال اچھا خاصا بھرا پُرا خاندان ہے ماشاء اللہ' پانچ بھائی' تین بہنیں۔ آٹھ بہن بھائیوں کی اس فیملی میں صائم بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور دو بہنوں سے بڑے' یعنی چھٹے نمبر پر تھے۔

میں جب بیاہ کر آئی تو گھر میں میری ایک جٹھانی اور دو کنواری نندیں رہتی تھیں۔ گھر کا ماحول بس ٹھیک ہی تھا' چھوٹی موٹی باتیں تو خیر ہر گھر میں ہو جاتی ہیں مگر شادی کے بعد کچھ ہی دنوں میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تین منزلہ اس گھر کے اوپری پورشن سگے بھائیوں کی فیملیز کے بجائے کرائے داروں سے کیوں آباد تھی۔

میری ساس کی زبان الامان...... الامان...... ادھر میں نے باورچی خانے کا چارج سنبھالا اور ادھر میری ساس نے اپنا۔ اس کے بعد میں تھی اور ان کی باتیں' میں خود چونکہ لڑائی جھگڑوں سے کوسوں دور بھاگتی تھی لہٰذا مطمئن تھی کہ میری ازدواجی زندگی بخیریت گزرے گی مگر اتنی تلخ زبان رکھنے والی ساس کا تو میں نے تصور تک نہ کیا تھا چونکہ شادی سے پہلے کے بیشتر معاملات آپا جان نے سنبھالے اور نمٹائے تھے لہٰذا شادی کے بعد ہی اماں بی کی زبان کے جوہر کھل کے سامنے آ رہے تھے۔

پہلی بار کھانا پکاتے ہوئے میں نے گوشت کے سالن میں دہی کی جگہ ٹماٹر ڈال دیئے' دہی ختم تھا اور میں نے سوچا انہیں بتانے کا کیا فائدہ کوئی دہی لا کر دینے والا تو ہے نہیں مگر...... رات کو کھانے کی میز پر انہوں نے سب کے سامنے میرے وہ لتے لیے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے میرے آنسو بہہ نکلے' نوالہ حلق میں اٹک گیا۔ حیرت وصدمے کی بات یہ تھی کہ صائم سمیت میری نندیں اور جیٹھ جٹھانی اتنے اطمینان سے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے گویا ٹی وی پر کوئی ڈرامہ چل رہا ہو۔ مجھ سے وہاں سب کے درمیان بیٹھے رہنا دوبھر ہو گیا' مصیبت یہ تھی کہ میں وہاں سے اٹھ کر کوئی بداخلاقی کا مظاہرہ کرنا اور بدتمیز کا ٹیگ خود پر لگوانا نہیں چاہتی تھی۔ میری ساس بے نیازی سے کھانا ختم کر کے چلتی بنیں' ایک ایک کر کے سب ہی اٹھ گئے میرے سامنے سے پلیٹ اٹھاتے ہوئے میری جٹھانی چپکے سے بڑبڑائیں۔

باتوں سے خوش بو آئے

⌘ علم دل کو اس طرح تازہ کرتا ہے جیسے بارش خشک زمین کو۔
⌘ کسی سے ملو تو اس طرح ملو کہ دوسرا دوبارہ ملنے کی خواہش کرے۔
⌘ زندگی میں اچھے کام کرو' موت کے بعد یاد رکھے جاؤ گے۔
⌘ زبان اگر تلوار نہیں مگر تلوار سے زیادہ تیز ہے۔
⌘ خاموشی ایک ایسا درخت ہے جس پر کبھی کڑوا پھل نہیں لگتا۔
⌘ جن کے حوصلے بلند ہوتے ہیں وہ مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔
⌘ ایسا پھول مت چنو جو خوب صورت ہو مگر اس میں خوش بو نہ ہو۔
⌘ وفا کے پھول برساتے رہو تا کہ تمہیں کوئی نفرت کے شعلے میں نہ جلا سکے۔
⌘ کسی کا دل نہ دکھاؤ ہوسکتا ہے اس کے آنسو تمہارے لیے سزا بن جائیں۔
⌘ کسی کو نفرت کی نگاہ سے مت دیکھو ہوسکتا ہے کبھی یہ وقت تم پر بھی آجائے۔
⌘ اچھا دوست پانے کی خاطر پہلے خود اچھا بنو۔
⌘ اگر تمہیں کوئی یاد نہیں کرتا تو کوئی بات نہیں اصل بات تو یہ ہے کہ کوئی خود کو فراموش نہ کرے۔

ماریہ کنول ماہی...... گوجرانوالہ

"بڑی بی کی پرانی عادت ہے برداشت کرلو اور کوئی چارہ نہیں۔" میں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے انہیں دیکھا تو وہ ترحم آمیز انداز میں مجھے دیکھ کر باہر چلی گئیں۔ ٹیبل صاف کرنے کے بعد میری نند میرے پاس آئی میں تب بھی سر جھکائے آنسو پینے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

"بھابی......" اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بھابی! آئی ایم سوری' یہ سب میری غفلت کی وجہ سے ہوا' مجھے آپ کو پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا کہ امی کو سالن میں ٹماٹر بالکل پسند نہیں۔ بھابی پلیز آپ روئیں مت۔"

اس کا اتنا کہنا اور خیال کرلینا ہی میرے لیے کافی تھا۔ وہ پلیٹ میں تازہ گرم سالن لے کر آئی تھی' اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر میرے منہ میں ڈالا اور جیسے میرا دل ہی جیت لیا اس کے بعد تو جیسے ایک سلسلہ چل پڑا۔

صائم کی دیکھا دیکھی میں بھی اپنی ساس کو امی' اماں جی کہنے لگی حالانکہ وہ میری امی کی شخصیت سے ذرا میل نہیں کھاتی تھیں۔ روٹھنا اور ناراض ہونا ان کا مشغلہ تھا اور مقابل کو بلالحاظ سب کے سامنے یا تنہائی میں بے عزت کرنا ان کی بچپن کی عادت...... ظاہر ہے بچپن کی عادت میں اب اس عمر میں تو تبدیلی نہیں آسکتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ ان کی بڑی چار بہوؤں میں سے ایک بھی ان کے ساتھ رہنے کو تیار نہ تھی۔ لے دے کے ایک صائم ہی تھے جن کو اپنی ماں کے بڑھاپے کا خیال تھا اور لحاظ بھی مگر میرے دل میں ان کی باتیں سن سن کر اتنا غبار جمع ہوگیا کہ یکے بعد دیگرے اپنے گھروں کی ہوجانے والی نندیں جو مجھے بے انتہا عزت اور پیار دیتی تھیں ان کی دل جوئی بھی میرے دل میں ان کے لیے گنجائش بنانے میں ناکام رہی تھیں۔ میں دلی اور ذہنی طور پر ان سے تو دور ہوگئی تھی مگر ساتھ ہی ایک گھر میں رہنا بھی مشکل ہوتا چلا گیا اور اب یہ حال تھا کہ امی ہر وقت صائم کو جورو کا غلام اور بیوی کا پلو پکڑ کر چلنے والا مرد گردانتی تھیں اور میں صائم سے اس لیے ناراض رہتی تھی کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ انہیں صرف اماں کی پروا ہے میری نہیں۔ گھر کے ماحول کی اس کھینچا تانی کا اثر میرے مزاج پر پڑا تو اس کی تلخی سے وہ لوگ بھی محفوظ نہ

رہے جنہوں نے ایک وقت میں امی کے مزاج کی ترشی کو سہارنے اور سمجھنے میں میری مدد کی تھی جو جٹھانی ساتھ رہتی تھیں وہ بھی جلد ہی تنگ آ کر کرائے کے گھر میں چلی گئیں پھر بھی خدا کا شکر تھا کہ سب ہی معاملہ فہم اور تعاون کرنے والے تھے ورنہ میرے اندر تو میری ساس نے قوت برداشت کا ایک قطرہ تک نہ چھوڑا تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁
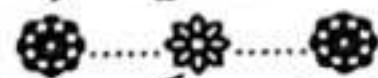
''شبانہ...... شمی اٹھ جاؤ' دیکھو عصر ہونے والی ہے۔''

امی کی نرم آواز میرے کانوں میں پڑی تھی' جانے کب سوچتے اور آنسو بہاتے میری آنکھ لگ گئی تھی۔

''اُف خدایا...... پورا دن گزر گیا' کیا میں اتنی دیر سوتی رہی۔'' میں خود پر حیرت کرتی اٹھ بیٹھی' امی کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا جو انہوں نے مجھے پکڑایا۔

''صائم آتا ہوگا' منہ ہاتھ دھو کر حلیہ درست کرلو۔''

''اونہہ......'' ان کے نام کے ساتھ ہی صبح والی تلخی منہ پھاڑے میرے سامنے کھڑی تھی۔

''انہیں میرے حلیے یا حالت سے کیا سروکار۔'' میرے جلے دل سے آہ نکلی۔

''کیوں' خیر تو ہے' کوئی بات ہوگئی کیا؟'' میں نے بےزاری سے نفی میں سر ہلایا۔

''کیا بات ہوگی' وہی معمول کی مصیبتیں۔'' امی پھیکے پن سے مسکرا کر مجھے دیکھنے لگیں' انہیں بھی میری ساس کے مزاج سے خوب آگاہی تھی کیونکہ انہوں نے اپنی زبان کے جوہر کسی سے مخفی رکھنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش نہیں کی تھی۔

''صائم کا فون آیا' کب تک آئیں گے لینے؟''

''تمہارا موبائل بج رہا تھا بیگ میں' بچے کہہ بھی رہے تھے کہ پاپا کا ہوگا مگر میں نے ہی بیگ چھونے نہ دیا۔''

''اچھا میں دیکھتی ہوں۔'' میں نے فوراً چائے ختم کرکے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور لاؤنج میں آ کر اپنا بیگ دیکھا پر خیال آیا امی نے صفائی کرنے کے ارادے سے جب چیزیں سمیٹی ہوں گی تو اپنی وارڈ روب میں رکھ دیا ہوگا میں بیگ لے کر واپس پلٹی تو امی خالی کپ اٹھا رہی تھیں۔

''چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھنا سیکھو شمی! تم نے بیگ بھی یونہی لا کر بےپروائی سے رکھ دیا تھا۔'' مگر میرا دھیان امی کی طرف نہیں صائم کی طرف سے آنے والی چھ مسڈ کالز کی طرف تھا' میں نے جلدی سے نمبر ملایا۔

''ہیلو...... جی جی...... کیوں...... اچھا ٹھیک ہے۔''

''کیا ہوا؟'' امی میرا اترا ہوا منہ دیکھنے لگیں۔

''جلدی لینے آئیں گے' ڈنر بھی نہیں کریں گے۔ سمی اور زینی آئی ہوئی ہیں گھر پر انہوں نے پائے پکائے ہیں۔'' میں نے اپنی نندوں کا نام لیا۔

''چلو تو تم تو کھا کر چلی جانا۔'' میں نے بےدلی سے سر ہلایا۔ امی میری افسردگی بھانپ چکی تھیں' کہنے لگیں۔

''چلو...... بھابی کی بری کے لیے جو نئے جوڑے لیے وہ تو دیکھ آ کے' جب سے آئی ہو کمرے میں گھسی ہوئی ہو۔'' بھائی کی شادی نزدیک تھی' اسی کی تیاریاں دیکھنے کے لیے امی نے آج بطور خاص مجھے بلوایا تھا۔ صبح تیاری کے وقت تو میں بھی بہت ایکسائیٹڈ تھی مگر اب میرا دل مکمل طور پر اچاٹ ہو چکا تھا۔ جبھی جھلملاتے جوڑے اور میچنگ کے دمکتے ہوئے دیدہ زیب زیورات بھی میری مزاج پرسی نہ کرسکے۔

❁ .... ❁ .... ❁

گھر پر حسب توقع ایک میلہ سا لگا ہوا تھا' کچن میں سمی اور زینی کے ساتھ میری بڑی بھتیجی نیناں بھی تھی۔ دوسرے نمبر کی جٹھانی بھی فیملی سمیت موجود تھیں۔ آپا جان کے میاں اور بچے' سمی اور زینی کے بچے اور خاوند۔ گو کہ گھر خاصا کھلا سا تھا' پھر بھی اس وقت کھچا کھچ بھرا ہوا لگ رہا تھا۔ راستے بھر صائم کی خاموشی بھی بےحد کھلی تھی جبھی اس وقت سب کو دیکھ کر دل خوش ہونے کی بجائے مزید بوجھل سا ہو گیا۔

''آپا چھوٹی چاچی آ گئیں۔'' اپنی بھتیجی نیناں سے میری اچھی دوستی تھی' جبھی وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی باقی

تمام جملہ اہل خانہ بھی اپنے اپنے انداز میں خوشی سے ملے سوائے...... میں نے اپنے مخصوص تخت پر براجمان اماں جی کو سلام کیا۔

"آ گئیں بھابی! گھر میں سب خیریت ہے۔" سیمی اور زینی بھی کچن سے باہر آ گئیں۔

"ہاں ہاں سب ٹھیک ہی ہوگا' ماشاء اللہ چہرے پر بارہ تو یہاں آنے کے بعد بجے ہیں۔" ان کے لبوں سے تیر نکلا اور سیدھا میرے دل میں جا گھسا۔

میرے مسکراتے لب سمٹ گئے' میں نے ایک اڑتی نگاہ لاؤنج میں موجود حضرات پر ڈالی جو بھی تھا گھر کی خواتین کی بات الگ تھی وہ تو سب ہی اماں کے تیر کھائی رہتی تھیں مگر اپنے جیٹھ اور نندوئیوں کے سامنے اس عزت افزائی پر میرا چہرہ یقیناً سرخ ہوگیا تھا۔ صورت حال کو گمبھیر تا سے بچانے کے لیے جلدی سے اٹھی۔

"یہ بتا رہے تھے پائے پکائے ہیں آپ لوگوں نے؟"

"ظاہر ہے جب خاتونِ خانہ کو سیر سپاٹوں سے فرصت نہیں ملے گی تو باہر سے ہی لوگ آ کر پکائیں گے۔" میرا خون کھول اٹھا۔

"یہ ہی کامیاب طریقہ ہے جو آئے خود ہی پکائے اور کھا پی کر چلتا بنے یہاں کون سی پروا ہے کسی کو۔" لاؤنج کی آوازیں گم ہوچکی تھیں' ایک بار پھر سناٹا بولنے لگا۔

"اوہو اماں! کیا ہوگیا ہے' چھوڑیں ناں۔" سیمی اور زینی کھسیانی سی ہنسی ہنسیں۔

"جب بیسیوں بار آ کے پکے پکائے کھاتے ہیں تو ایک بار آ کر پکا نہیں سکتے کیا' آخر کو یہ ان کا اپنا گھر ہے۔" دانت کچکچا کر سلگتے لہجے میں میں نے بھی جواب دے ہی ڈالا۔

"لو دیکھ لو بس یہ ظرف ہے ان کا۔" حاضرین محفل کو میری بات نے ہکا بکا کردیا تھا مگر بس دو چار پل کے لیے پھر اماں کی بڑھتی آواز نے اس کیفیت سے فوراً نکال بھی لیا' جانے آپا جان کہاں تھیں اس وقت۔

نظم

مجھے وقت بدلنے کی رو داد سنا کر
پرانی یادوں کو بھلا کر
میری روح کو بے رخی کی مٹی میں دفنا کر
وہ نئے سرے سے جینے کی
مجھے تلقین کر گیا ہے
میں اس سے کیسے کہوں
وقت تو بدل جاتا ہے
محبت کب بدلتی ہے
یہ تو ازل سے ابد تک
شب و روز کی تبدیلی میں
موسموں کے تغیر میں
یہ کب بدلتی ہے
یہ تو وہی رہتی ہے
ایک مبہم آس بن کر
اک اداس شام کی سرخی کی مانند
اک بے نام سی خود سے ضد
سوچوں کی یلغار
ہاں یہی تو ہے محبت
ہاں بدلتے ہیں تو
فقط انداز......
اک انداز چھپا لینے کا
اک انداز لا دینے کا
اک خواب نامکمل کی
ادھوری حقیقت کو
محبت ہی تو کہتے ہیں
تو پھر جب بدلتی نہیں محبت
تو پھر کیوں لوگ کہتے ہیں
کہ......
اب وقت بدل گیا ہے
ہاں وقت بدلتا ہے ضرور
مگر......
محبت کب بدلتی ہے

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

''تو......'' یہی اماں کی طرف جبکہ زینی میرا ہاتھ تھام کر معاملہ دبانے ہی لگی تھی مگر اب مشکل تھا۔

''تمہارے باپ کا دیا نہیں کھاتیں میری بیٹیاں! خدا کا شکر ہے سب اپنے گھر بار والے ہیں۔ یہ تو میرا دم سلامت ہے جو دو گھڑی آ کر پوچھ لیتے ہیں' ورنہ منہ دھو رکھو بی بی! تم پر تو کوئی تھوکے گا بھی نہیں آ کے۔'' میری ساس کی قینچی کو روکنا اب سب کے بس سے باہر تھا۔

''میں کسی کو اپنے منہ پر تھوکنے کی اجازت دوں گی بھی نہیں۔'' میں نے تیزی سے کہا اور زینی کا ہاتھ جھٹک کر کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں ٹی وی چل رہا تھا' تمام چھوٹے بچے میرے بیڈ پر چڑھے کارٹون دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنے بچوں سمیت سب کو کمرے سے بھگایا اور اوندھے منہ بستر پر گر کر رونے لگی۔ باہر اب بھی وہی واویلا جاری تھا۔

❁......❁......❁

جلتی آنکھیں' بھاری پپوٹے' سوکھے لب اور دکھتا سر...... میری حالت رات کے مقابلے میں بہت بدتر تھی' مجھے دردِ شقیقہ کی شکایت رہتی تھی اور بقول میرے مجھے یہ بیماری بھی میری ساس کی طرف سے تحفتاً بخشی ہوئی تھی' ورنہ شادی سے پہلے تو میں نے سر کے درد کا نام تک نہ سنا تھا۔

''آہ......'' میں نے بے قرار ہو کر دکھتے سر کو دائیں بائیں پٹخا۔

''بخار تو نہیں ہے۔'' جبھی اپنے نزدیک کسی کی مہربان آواز سنائی دی' میں نے سوجی آنکھیں کھول کر بمشکل دیکھا۔ صائم بستر پر بالکل میرے پاس بیٹھے تھے' میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا۔ پاس ہی یمی کھڑی تھی پریشان اور پشیمان۔

مجھے گزشتہ رات کا تمام ماجرا فوراً یاد آ گیا اور اماں کے وہ کلمات بھی جو وہ میری شان میں دیر تک بولتی رہی تھیں۔ میری آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر کنپٹیوں کی طرف بہہ نکلے۔

''چلو بس کرو' کوئی نہیں سب خیر ہے۔'' صائم کی بھاری آواز سرگوشی کی صورت میرے جلتے دل پر پھائے رکھ رہی تھی۔ جبھی میرے سر پر جیسے کسی نے پھوار سی برسائی۔ ایک ٹھنڈا' معطر سا جسم و جان کا مہکا احساس' دماغ کی ایک ایک رگ میں سکون اتارنے لگا۔

کسی کی ملائم پوریں بہت نرمی سے میرا سر گدگدا رہی تھیں۔ یہ یقیناً یمی تھی جو میرے سر میں جڑی بوٹیوں سے بنے خاص تیل کی مالش کر رہی تھی۔ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی اس کے ہاتھ میری کنپٹیاں' بھویں' پیشانی اور سر سہلا رہے تھے۔ رفتہ رفتہ جب درد کا اثر زائل ہونے لگا اور طبیعت کی بحالی کے آثار میرے چہرے پر نظر آنے لگے تب اس نے دھیرے سے مجھے پکارا۔

''بھابی......'' میں نے نم آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''بھابی......امی نے کل آپ کو جو کچھ بھی کہا میں اس کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ پتا نہیں وہ اتنی کڑوی کیوں ہیں حالانکہ میری ماں ہیں مگر میں جانتی ہوں انسان کے سارے اعمال پر اس کی زبان پانی پھیر دیتی ہے۔ ان کا طرزِ عمل غلط ہے اس طرح تو دوسروں کے دلوں میں محبت اور جگہ بننے کے بجائے نفرت اور بے زاری پیدا ہو جاتی ہے۔'' میں چپ چاپ اس کا نادم لہجہ سن رہی تھی' وہ دھیرے دھیرے میرے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔

''انہوں نے بھی جوانی میں بہت کڑا وقت دیکھا ہے' عمر کے اس حصے میں پہنچتے پہنچتے ان کی قوت برداشت جواب دے چکی ہے وہ مجبور ہیں' ان کی عادتیں اتنی پختہ ہیں کہ انہیں اس طرح سے بول کر یا بحث کر کے بدلا نہیں جاسکتا۔ انہیں برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں بھابی!''

''چاہے ہم ان کی عمر کو جاتے جاتے ان ہی کی طرح تلخ ہو جائیں' بات بے بات اور جگہ بے جگہ دوسروں کو بے عزت کرنے والے۔'' ترشی سے بولتے ہوئے میری آواز بھرا گئی۔

''اللہ نہ کرے بھابی! آپ میں، مجھ میں اور ان میں یہ ہی تو فرق ہے، آپ تو پڑھی لکھی باشعور عورت ہیں۔ اللہ سے دعا کریں، اللہ ہمارے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگوں کو ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیں کسی بھی لحاظ سے ایسا بننے سے بچائے کہ لوگ ہماری موجودگی سے بے زار ہوں اور ہماری غیر موجودگی میں سکون محسوس کریں، آمین۔'' اس کی دھیمی پُراثر آواز قطرہ قطرہ امرت جل کی طرح میری سماعتوں میں اتر کر دل و دماغ کو روشن کرتی جارہی تھی۔ نرم ملائم انگلیوں کی پوریں اب بھی مساج میں مصروف تھیں۔

''ہم سب آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی عزت بھی کرتے ہیں، وہ میری سگی ماں ہیں بھابی! میں چاہ کر بھی ان کو بُرا بھلا نہیں کہہ سکتی پھر بھی ان کی باتوں سے آپ کا دل دکھا، میں اس کے لیے آپ سے معذرت کرتی ہوں۔'' وہ اپنی بات مکمل کرکے خاموش ہو چکی تھی، اتنی کڑوی زبان والی بد اخلاق عورت کی اتنے حسن سلوک والی بیٹیاں یقیناً میرے لیے نعمت خداوندی سے کم نہ تھیں۔ اس کا ہاتھ تھام کر میں نے لبوں سے لگایا۔

❁…………❁…………❁

بھائی کی شادی بخیر و خوبی انجام پائی مگر مشکل سے۔ بارات والے دن اماں پورچ میں پانی کی وجہ سے سلپ ہوگئیں۔ ہم سب تقریب کے لیے نکل ہی رہے تھے، میری تو جان نکل گئی ہال کے بجائے ہسپتال بھاگنا پڑا اور جب پتا چلا کہ رات یہیں رکنا ہوگا تو دل خون کے آنسو رو دیا مگر بھلا ہو میرے سسرال والوں کا، خاندان بھرا پُرا ہو تو مسئلے مسائل تو ہوتے ہیں مگر دلوں میں میل نہ ہو تو پھر یہی لوگ کام بھی بہت آتے ہیں۔

آدھے گھنٹے کے اندر سب ہی ہسپتال پہنچ گئے اور مجھے اور صائم کو شادی میں روانہ کردیا۔ میرا بارات کے ساتھ امی کے گھر واپس جانے کا ارادہ تھا اس میں رخنہ پڑ گیا۔ مجھے بھی اپنی ساس کے ہاسپٹلائز ہونے کے بعد یہ بات کچھ مناسب نہ لگی کہ میں امی کے یہاں رک جاؤں۔ اماں ایک دن رک کر گھر آ گئیں، اللہ کا شکر تھا کہ فریکچر نہیں ہوا تھا، معمولی خراشیں اور ٹخنے پر ذرا سی سوجن تھی، فی الحال وہ چلنے سے قاصر تھیں۔ میں نے بھی تمام باتیں بھلا کر ان کی خدمت کی جواباً انہوں نے بھی مایوس نہیں کیا۔

سچ ہی تھا کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے کسی نہ کسی دن مل ہی جاتا تھا، دنیا میں نہ بھی ملے تو اللہ کے یہاں تو ضرور ہی ملے گا۔ ہاں یہ ہوا کہ گھر میں مستقل مہمانوں کی آمد کی وجہ سے بھاگم دوڑی میں ولیمہ اٹینڈ کیا، جس کا کئی دن ملال رہا کیونکہ میرے بعد گھر کی پہلی شادی تھی تو ظاہر ہے اس لحاظ سے تیاریاں بھی خاص تھیں اور جوش و خروش بھی دیدنی تھا۔

خیر اللہ جو بھی کرتا ہے بہتر کرتا ہے یہی سوچ کر گھر کے کام دھندوں میں لگ گئی اور بھائی کی شادی کے بعد کافی دن میکے کا رخ نہیں کرسکی یہاں تک کہ ایک دن امی کا بلاوا آ پہنچا، وہ یوں کہ کھیر پکائی کی رسم میں مجھے بلا رہی تھیں۔

❁…………❁…………❁

امی نے خاصا اہتمام کر ڈالا تھا، تمام چیزیں خود ہی بنائی تھیں۔ میری اور کوئی بہن تو تھی نہیں جو اُن کا ہاتھ بٹاتی اس لیے ایک حد تک میری نئی نویلی بھاوج یعنی ماہا نے ہی ان کا ساتھ دیا۔ امی نے فی الحال اس سے صرف کھیر ہی پکوائی تھی۔ پہلی پہلی بار تھا پتا نہیں اتنے لوگوں کا کھانا ٹھیک سے پکا پاتی یا نہیں اس لیے میں نے خود ہی سب کرلیا، رات میں کام سمیٹنے کے بعد وہ تھکی تھکی سی مجھے بتا رہی تھیں۔

''اچھا کیا ویسے بھی سب گھر کے طور طریقوں میں فرق ہوتا ہے، جب تک وہ یہاں سب کی پسند نہ پسند کو ٹھیک سے جان نہ لے ہیلپ کردیا کریں۔ لیٹ جائیں میں تلوے اور ایڑھیوں پر مساج کردوں بہت آرام ملے گا۔'' امی نے سر ہلایا۔

''ویسے میں نے محسوس کیا ہے اس میں احساس ذمہ

داری ذرا کم ہی ہے جہاں کچھ کھاتی پیتی ہے کپ، اور پلیٹیں فوراً اٹھا کے نہیں رکھتی، روز رات کو گھنٹوں اپنی ماں اور بہنوں سے فون پر باتوں میں لگی رہتی ہے۔'' امی خالصتاً ساس کے روپ میں ڈھل چکی تھیں، میں مسکرادی۔

''ارے امی! یہ شروع کے دن ایسے ہی ہوتے ہیں، بے پروا، بے فکر، مگن...... ذمہ داری پڑے گی تو سمجھ جائے گی۔''

❁......❁......❁
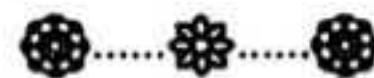
''آئے ہائے یہ چاولوں کا کیا حشر کردیا؟'' امی کی تیز آواز پر میں نے چونک کر سر اٹھایا۔

''امی وہ گھر سے فون آ گیا تھا تو میرا دھیان ادھر لگ گیا۔''

''تو گھر سے فون کرنے والوں کو کہہ دیتیں کہ دو منٹ بعد فون کرنا، ایسی کون سی اہم بات تھی جو اسی وقت......'' میں کھانا بھول کر حیرت سے اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی جو اس وقت ایک مکمل ساس کا روپ دھار چکی تھیں۔ وہ کہیں سے بھی وہ مشفق ماں نہیں لگ رہی تھیں جو ہمیشہ سسرال کے معاملات کو سہل انداز میں نمٹانے میں میری رہنمائی کرتی تھیں۔

''بس امی! خیال ہی نہیں رہا۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''تو خیال رکھا کرو ناں اگر ایسے ہی بے خیالی میں رہیں تو بس ہوگیا کام۔''

''امی کیا ہوگیا ہے؟'' اب مجھے مداخلت کرنی ہی پڑی تھی۔ ''ٹھیک ہیں بس ذرا چپک گئے ہیں۔'' میں نے سرسری انداز اپنایا۔

''ارے رہنے دو تم تو یہ تو روز کا معمول ہے ایک بار بتائے دے رہی ہوں تمہیں یہ جو لڑکیاں ہر وقت فون اور ٹی وی سے چپکی رہتی ہیں ناں اور جن کے ہر روز میکے کے چکر لگتے ہیں یہ گرہستی نہیں کرسکتیں۔'' دھیمی آواز لیکن طنزیہ لہجہ۔

''امی...... ی...... ی۔'' میں نے بے اختیار انہیں ٹوکا۔ ٹیبل پر میرے ابو اور دونوں بھائیوں کے ساتھ صائم بھی موجود تھے ان کے سامنے ماہا کو اس طرح کہنا مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔

ڈائننگ ٹیبل پر خاموشی چھا گئی، ماہا چاولوں سے کھیل رہی تھی مگر میں جانتی تھی وہ درپردہ اپنے آنسو پینے میں مشغول ہے۔ مجھے اس وقت اس میں اور خود میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔ سالوں پہلے کا منظر پھر سے جی اٹھا تھا، فرق صرف یہ تھا کہ یہ میرا میکہ تھا اور اس کا سسرال، امی کے رویے سے مجھے بے حد شرمندگی محسوس ہونے لگی اور اب میرے دل میں ایک خیال نے سر اٹھایا اپنے میکے میں مجھے وہی کردار ادا کرنا تھا جو میرے سسرال میں میری نندیں ادا کر رہی تھیں۔

گھروں کو جوڑے رکھنے کے لیے، رشتوں میں بھرم اور محبت قائم رکھنے کے لیے مجھے وہی شرمندگی اور خفت کی گٹھڑی اٹھانی تھی جو ایک عرصے سے میری نندوں نے اٹھائی ہوئی تھی۔ اپنے میکے میں، جنم لینے والے سسرالی رشتوں سے محبت اور عزت وصولنے کے لیے مجھے بھی عزت دینی اور محبت بانٹنی تھی اور کسی اور کے نہیں۔ اپنی سگی ماں کے لگائے گئے زخموں کا مداوا کرنا تھا جس حد تک ممکن ہوتا۔

میں کھانے کے بعد کچن میں آئی، ماہا دروازے کی طرف پشت کرکے سنک کے آگے کھڑی تھی۔ میں جانتی تھی وہ رو رہی تھی، میں یہ بھی جانتی تھی کہ مجھے اس سے کیا کہنا تھا اس کے آنسوؤں کو ہنسی میں بدل کے اس کے دل کا بوجھ کیسے بانٹنا تھا۔ میں نے پیچھے سے جا کے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔